The Concept Of Beloved in The Ghazal of Daag Dehlvi

داغؔ دہلوی کی غزل میں تصورِ محبوب

Shahzad Anjam *[1]
PhD Scholar, Department Of Urdu,Government College University, Faisalabad
Shama Parveen *[2]
PhD Scholar, Department Of Urdu,Government College University, Faisalabad

☆[1] محمد شہزاد انجم
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد
☆[2] شمع پروین
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

Correspondance: m.shahzadanjamsmd@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 25-07-2025
Accepted:28-09-2025
Online:29-09-2025

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common

ABSTRACT: In the history of Urdu poetry, Dahalavi Urdu is one of the leading poems of the Urdu classic era. Prior to the Dagh Dahlavi, the classical lyrics also show a strong tradition of beloved. As the stains came, the poem presented the beloved as a delicate vagina. Even Haley has strongly criticized this concept in poetry and poetry. In his poetry, Dagh Dahlavi presented a separate concept of beloved, which also shows similarity with classical poetry and also shows a clear difference. The stains gave Urdu lyrics a fierce and rhetorical accent. Before the stained Dahlavi, the lyrics were from the craving of the hajar or the reckless flight of imagination. Dagha's poetry revolves on one axis and that is love. Love feelings appear to be running in the poetry of the stains. Dagha Dahlavi's poetry is the poetry of connection. The stains were beautiful in the face. There is no significant importance in their life because they soon find another love. In the lyrics of Dahalavi, the masculine section has been used for the beloved, but the emerging figure in it is full of femininity. The poetry of the stains can be due to

Attribution (CC BY) license

their family attributes, otherwise the woman who curses the curse. No honor seems to be a creature. Therefore, respect for it is not necessary. In their passion, feelings and thoughts are not the same. The serious expression of love appears to be a sarcastic and tampering. For this reason, the romantic angles of beauty and beauty in the curse of the stains are useful that are visible to Mir, Pain, Fire and Mighty.

KEYWORDS: Urdu poetry, Dagh Dahlavi, Classical Lyrics, Delicate Vagina. Emerging Figure, Femininity, Sarcastic, Tampering

اُردو شاعری میں جن شعرا کو اعلیٰ مقام حاصل ہے، ان شعرا میں داغؔ دہلوی کا نام نمایاں ہے۔ زبان و بیان پر کامل دسترس ،روزمرہ کا استعمال، محاورات کا استعمال، ضرب الامثال کا استعمال، زبان کا چٹخارہ، زبان کا تیکھا پن ، داغؔ کے کلام کی ایسی خوبیاں ہیں جو کسی دوسرے شاعر کے کلام میں یکجا نادر ہیں۔ نواب حیدر آباد نے داغؔ کو بُلبُل ہندوستان، جہاں استاد، فصیح الملک ،ناظم یار جنگ کے خطابات سے نوازا۔ نشاطیہ لب و لہجہ، غیر منافقانہ رویہ اور دہلی کی زبان پر قُدرت داغؔ دہلوی کی مقبولیت کا راز ہے۔

اُردو ادب میں داغؔ دہلوی کے نام سے شہرت حاصل کرنے والے شاعر کا اصل نام ”ابراہیم“ تھا۔ ان کے اصل نام سے متعلق کامل قریشی لکھتے ہیں:

”نواب شمس الدین احمد خاں سے چھوٹی بیگم کے ہاں 25 مئی 1831ء کو ایک لڑکا پیدا ہوا اس لڑکے کا نام ابراہیم رکھا گیا۔“(1)

داغؔ کی قلعہ معلیٰ میں آمد اس وقت ہوئی جب داغؔ کی والدہ چھوٹی بیگم نے بہادر شاہ ظفر کے فرزند مرزا فخرو سے نکاح کر لیا تھا، نکاح کے وقت داغؔ اپنی خالہ کے ہاں رامپور میں قیام پذیر تھے، لیکن جب داغؔ کی والدہ مرزا فخرو کے عقد میں آگئیں تو اس نے داغؔ کو لال قلعے میں ہی بلا لیا۔ ان دنوں مغلوں کا زوال شروع ہو رہا تھا لیکن قلعہ معلیٰ میں رونقیں ابھی عروج پر تھیں۔

جب داغؔ قلعہ معلیٰ پہنچے تو اس وقت داغؔ کی عمر دس، بارہ سال کے لگ بھگ تھی۔ قلعہ میں روزانہ مشاعروں کا انعقاد ہوا کرتا تھا۔ اس طرح جب داغؔ اپنی ماں کے ساتھ قلعہ معلیٰ میں رہنے لگا، تو اس کی تعلیم و تربیت بھی شہزادوں جیسی ہونے لگی تھی۔ مختلف فنون میں داغؔ کی تربیت کا آغاز ہونے لگا۔

داغؔ دہلوی چودہ سال کی عمر میں لال قلعے پہنچے۔ داغؔ کی زندگی میں یہ ایک اہم موڑ تھا۔ جس کی بدولت ان کی تعلیم وتربیت کا خاص انتظام کیا گیا۔ داغؔ جب قلعہ میں داخل ہوئے تو بیگمات کی عام بول چال کی زبان، دہلی کے محاورے اور ضرب الامثال حتیٰ کہ لسانی نظام پر داغؔ کو مکمل دسترس حاصل ہوگئی۔

مرزا فخرو فرزند بہادر شاہ ظفر نے داغؔ کی موزوں طبیعت دیکھ کر اسے شیخ ابراہیم ذوق کی شاگردی پر آمادہ کیا۔ چونکہ خود مرزا فخرو استاد ذوق کے شاگرد تھے۔ تو اس طرح داغؔ شیخ ابراہیم ذوق کے شاگرد ہو گئے۔ داغؔ کی زبان نکھارنے میں لال قلعہ دہلی کا اہم کردار ہے۔ ان دنوں چونکہ لال قلعہ ادبی مشاعروں کا مرکز تھا، تو اس وجہ سے داغؔ کی زبان پر بھی ان مشاعروں کا گہرا اثر پڑا۔ داغؔ کو ذوق کی شاگردی اختیار کرنے کے متعلق کامل قریشی رقم طراز ہیں:

> "بہ قول داغؔ میں حضرت ذوق کا شاگرد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ میں ہوا تھا۔ جہاں شاہ ظفر اور ولی عہد بہادر بھی تشریف فرما تھے۔ مرزا فخرو نے میری طرف سے حضرت ذوق کی خدمت میں ایک دوشالہ اور کچھ اشرفیاں پیش کیں۔"(۲)

داغؔ دہلوی فطرتی شاعر تھے۔ داغؔ کی اس سے بڑی خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی تھی کہ انہیں بچپن میں لال قلعہ میں رہ کر مغل بیگمات، شہزادوں اور شہزادیوں سے براہ راست اردوئے معلیٰ سیکھنے کا سنہری موقع ملا۔ اور فن شاعری کے رموز و اسرار استاد ذوق نے ہی سمجھا دیے تھے۔

داغؔ کی عمر اس وقت چودہ سال تھی جب آپ شاعری کے اصول و قواعد سے آشنا ہونے لگے اور بعد میں شاعری میں اچھی خاصی شہرت حاصل کر لی۔ داغؔ نے شاعری کی ابتدا بچپن سے ہی کر لی تھی۔ اپنے کلام کی بے ساختگی اور مصرعوں کی تراش خراش کے سبب ان کے اشعار سامعین کو جلد یاد ہو جاتے تھے، اس کے ساتھ ساتھ داغؔ نے مشاعروں میں بھی شرکت کرنا شروع کر دی تھی اور بڑے بڑے شعرا دوران مشاعرہ داغؔ کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ جس کے سبب داغؔ کی شاعری بلندیوں کے چھونے لگی۔

محبوب کے جسمانی خدو خال کے حسن کا شوخیانہ اظہار بیان داغؔ دہلوی کے علاوہ کسی اور شاعر کے ہاں بہت مشکل سے ملتا ہے۔ داغؔ دہلوی سے پہلے غزل ہجر کی تڑپ سے یا پھر تخیل کی بے لگام اُڑانوں سے عبارت تھی۔ داغؔ نے اردو غزل کو ایک شگفتہ اور رجائی لہجہ دیا۔ داغؔ کی شاعری ایک ہی محور پر گھومتی ہے اور وہ ہے عشق! جنسی محبت کے باوجود داغؔ نے عاشقانہ جذبات کا بھرم رکھا۔ عشقیہ جذبات ہی داغؔ کی شاعری میں دوڑتے نظر آتے ہیں۔

داغؔ دہلوی کی تمام شاعری وصل کی شاعری ہے۔ داغؔ دہلوی کی زیادہ تر عمر عشق و عاشقی میں گزری۔ دہلی کی ہر مشہور طوائف کے ساتھ ان کا سلسلہ محبت رہا۔ داغؔ خوب صورت چہروں کے دلدادہ تھے۔ وہ حسن پرست تھے۔ ان کی

زندگی میں محبوب کے بچھڑنے کی کوئی اہمیت نہیں کیوں کہ وہ جلد ہی دوسری محبت تلاش کر لیتے ہیں۔ مومن خان مومنؔ کی طرح داغؔ دہلوی کے ہاں بھی نفسیاتی بصیرت کا اظہار جگہ جگہ ملتا ہے۔

داغؔ حسین عورتوں کے حسن وجمال سے جلد ہی متاثر ہو جاتے تھے اور جلد ہی انہیں دل کی دنیا سے نکال بھی دیتے تھے۔ داغؔ دہلوی کی معشوقہ پردے میں ہونے کے باوجود بھی بے پردہ ہے اور وہ چھپنے کے ساتھ کھلنے پر مجبور رہتی ہے۔

داغؔ دہلوی کے ہاں طوائف محبوبہ کے روپ میں نظر آتی ہے اور اپنی چنچلتا اور چھب اور آرائش و زیبائش، مہارت رقص و موسیقی اور دلکش ملبوسات سے داغؔ کا دل بہلاتی ہے۔ داغؔ کے ہاں محبوبہ کا تعلق بے تعلقی اور رقیب کی موجودگی محض روایتی نہیں بلکہ پوری طرح حقیقی و واقعی ہے۔

داغؔ دہلوی کی غزل میں محبوب کے لیے مذکر کا صیغہ استعمال ہوا ہے، لیکن اس میں ابھرنے والا پیکر نسائیت سے بھرپور ہے۔ داغؔ کی غزل میں محبوب کے حسن و جمال کی شبیہیں اگرچہ قلندر بخش جرأت کی طرح بنتی ہیں، لیکن داغؔ کے شعری لہجے کی شوخی اور مہذب اور دھیمی لے نے اسے شفاف بنا دیا ہے۔

کامل قریشی کے مطابق رام پور میں قیام کے دوران داغؔ کا طوائفوں سے میل جول جس نوعیت کا تھا، اس کے نتیجے میں ان کا تصور محبوب بھی عامیانہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "رام پور کی عشق و عاشقی، طوائفوں سے ربط و ضبط، مُنی بائی حجاب، اختر جان، صاحب جان اور عمدہ جان وغیرہ سے ان کی خلوت و جلوت کی قربتیں، حیدر آباد کے قیام کی فارغ البالی، ان کی محرومیاں، ناکامیاں، عزت افزائیاں، ان سب سے مل کر داغؔ کی شاعری کا پیکر تیار ہوتا ہے، جس کی گونج ان کی غزلوں میں جگہ جگہ سنائی دیتی ہے۔"(۳)

داغؔ محبوب کے حسن پر فریفتہ تو ہو جاتے ہیں لیکن وہ محبوب سے اپنا رشتہ برابری کی بنیادوں پر قائم کرنے کے خواہش مند ہیں۔ محبوب سنگ دل، جفاجو یا کینہ پرور ہے تو داغؔ بھی اس کو خاطر میں نہیں لاتے۔ درحقیقت داغؔ اپنے محوب کی ہر کمزوری اور ستم ظریفی کے باوجود بھی اسے دل و جان سے اسے چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ داغؔ کے محبوب کے متعلق لکھتے ہیں:

> "داغؔ کا محبوب اگرچہ زیادہ محترم نہیں البتہ اس کا طرزِ عمل یہ نمایاں کرتا ہے کہ وہ ادب کے لائق نہ سہی لیکن اس تہذیب کا نمائندہ ضرور ہے۔ داغؔ اسی محبوب کے حسن کے شیدائی ہیں۔"(۴)

کلاسیکی غزل میں شعراء نے اپنے اپنے محبوب کو مختلف انداز میں پیش کیا۔ اسی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے داغؔ دہلوی نے بھی اپنے محبوب کو منفرد انداز میں اپنی غزل میں پیش کیا، اور اپنے محبوب کے خدو خال اور دیگر اعضائے جسمانی بالخصوص محبوب کے حسن و جمال کی تعریفیں کیں۔ درج ذیل اشعار میں داغؔ نے اپنے محبوب کی مکمل تصویر کشی کی ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

اپنی تصویر پہ نازاں ہو تمہارا کیا ہے
آنکھ نرگس کی ، دہن غنچے کا، حیرت میری(5)

کلاسیکی غزل کی روایت کی طرح داغؔ دہلوی بھی دوسرے شعراء کی مانند اپنے محبوب کی ستم ظریفی، بے وفائی، بے اعتنائی کو خوب درد کے ساتھ بیان کرتا ہے:

دل کو کیا ملاؤ گے کہ ہمیں ہو گیا یقین
تم سے تو خاک میں بھی ملا یا نہ جائے گا(6)

محبوب کا عاشق صادق سے خفا ہونا، رنج ہونا، بگڑ جانا، غصہ ہونا، ستم کرنا، پامال کرنا، الجھ پڑنا ان تمام کیفیات کو داغؔ منفرد انداز میں پیش کرتے ہیں۔ داغؔ محبوب سے مخاطب ہیں اور کہتے ہیں، اے محبوب تجھے میرے سر کی قسم کہ میرے ساتھ ستم کرنا، جفا کرنا، نا کہ نگاہِ الفت کرنا:

ستم ہی کرنا جفا ہی کرنا نگاہ الفت کبھی نہ کرنا
تمہیں قسم ہے ہمارے سر کی ہمارے حق میں کمی نہ کرنا
ہماری میت پہ تم جو آنا تو چار آنسو بہا کے جانا
ذرا رہے پاسِ آبرو بھی کہیں ہماری ہنسی نہ کرنا(7)

محبوب کی زلفوں کو بعض جگہ داغؔ تیر نگاہِ محبوب سے تشبیہ دیتے ہیں۔ کلاسیکی شعراء نے بھی اپنے محبوب کی زلفوں کا تذکرہ اپنے اپنے انداز میں کیا ہے۔ لہٰذا داغؔ دہلوی کو بھی اپنے محبوب کی زلفیں بہت پسند ہیں۔ اور وہ محبوب کی زلفوں کا تذکرہ منفرد انداز میں کرتے ہیں، کہ اے محبوب تیری زلفوں کے سیاہ جال نے مجھے لوٹا ہے اور ساتھ ہی تیری چشم کے تیر نے میرے دل کے اندر جگہ بنائی ہے:

جال زلف سیاہ نے مارا
تیر کافر نگاہ نے مارا(8)

محبوب کے لب کو دلکش انداز میں پیش کرتے ہوئے داغؔ کہتے ہیں کہ اے محبوب کہ تو مجھ سے بے رخی کرتا ہے، تو کوئی بات نہیں میں آئندہ سے تیرے سامنے چمن میں جا کر گل کا بوسہ لوں گا اور تو مجھے بتائے گا کہ جیسا لعل گل کے ہاں ہے ویسا لعل آپ کے ہونٹوں پر بھی ہے کیا:

ہم اب سے لیں گے بوسۂ گل تیرے سامنے
کیا ایسا لعل ہے ترے لب میں لگا ہوا(9)

کلاسیکی غزل میں وصالِ یار جیسے معتبر موضوع پر تقریباً ہر شاعر نے قلم اُٹھائی ہے تو اس طرح داغؔ دہلوی کی شاعری بھی چونکہ وصال کی شاعری ہے۔ وہ وصالِ یار کے بعد اپنے اوپر طاری ہونے والی کیفیت کو دلکش انداز میں بیان کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ محبوب کے جذبات اور اس کے دل پر مکمل اختیار ہونے کے خواہش مند نظر آتے ہیں۔ اور پھر آخر میں داغؔ دہلوی اپنے محبوب کی وعدہ خلافی کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے محبوب تیرے وعدہ کا تو اور بھی انتظار کر لیتے مگر صد افسوس ہمیں تو اپنی زندگی کا بھروسہ ہی نہیں ہے، کسی بھی وقت زندگی بے وفا ہو سکتی ہے:

عجب اپنا حال ہوتا جو وصالِ یار ہوتا
کبھی جان صدقے ہوتی کبھی دل نثار
ہوتا
کوئی فتنہ تا قیامت نہ پھر آشکار ہوتا
ترے دل پہ کاش ظالم مجھے اختیار ہوتا
ترے وعدے پر ستمگر ابھی اور صبر
کرتے
اگر اپنی زندگی کا ہمیں اعتبار ہوتا(10)

محبوب کی جھوٹی قسم جو اس نے اپنے عاشق صادق کے روبرو اٹھائی، اور احسان ضائع ہونے والی کیفیت اس کے علاوہ محبوب سے اپنی محبت کے اظہار کرنے والی کیفیت کو داغؔ نے بھرپور انداز میں بیان کیا ہے۔ چونکہ عشق میں عاشق صادق اپنی تمام تر جہات محبوب پر لگا دیتا ہے اور عاشق محبوب کی ہر بات ماننے کو ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ ایسا کرنے میں چاہے عاشق کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے، لیکن عاشق اپنے راستے سے پروانے کی طرح واپس لوٹنے والا نہیں ہوتا:

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا
جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا
دل لے کے مفت کہتے ہیں کچھ کام کا نہیں
الٹی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا
افشائے رازِ عشق میں گو ذلتیں ہوئیں
لیکن اسے جتا تو دیا جان تو گیا(11)

کلاسیکی شاعری میں عاشق، محبوب اور رقیب جیسے موضوعات پر سب سے زیادہ قلم آزمائی ہوئی ہے۔ عاشق وہ جو

وفادار اور سچا ہوتا ہے اور محبوب وہ جس پر عاشق اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ اور ساتھ رقیب وہ سچا نہیں ہوتا بلکہ ہوس کا شکار ہوتا ہے، بلکہ رقیب کو تو اردو شاعری میں عاشق صادق کے راستے کی دیوار کہتے ہیں۔ مندرجہ بالا شعر میں داغؔ بھی رقیب کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میرا محبوب مجھ سے نہیں بلکہ کسی اور سے محبت کرتا ہے اور میرا تو وہ دشمن ہے لیکن میرے محبوب کا دوست ہے:

سنا ہے کسی اور کو چاہتا ہے
وہ دشمن ہمارا وہ پیارا تمھارا(۱۲)

محبوب کے حسن و جمال کو اردو کلاسیکی شاعری میں شعراء نے مختلف انداز میں بیان کیا ہے، کبھی وہ محبوب کے چہرے کو چاند سے تشبیہ دیتے ہیں اور کبھی محبوب کے ہونٹوں کو گلاب کی پنکھڑی سے غرض کہ محبوب کے دیگر اعضائے جسمانی کی تعریف وہ اپنے رنگ میں کرتے ہیں۔ تو اس طرح داغؔ دہلوی کو بھی اپنے حسین و جمیل محبوب کا چہرہ بہت پسند ہے اور وہ اسے بڑے دلکش انداز میں بیان کرتے ہیں کہ میرے محبوب کے حسن کے جوش سے اس کا نقاب بھی سلامت نہیں رہ سکتا کہ وہ بھی چاک چاک ہو کر فقط چلمن بن گیا۔ داغؔ اپنے محبوب کے بارے میں مزید بیان کرتے ہیں کہ اس زمین پر اور بھی حسین چہرے موجود ہیں، لیکن میرے محبوب کی مثال کہیں نہیں ملتی:

رہ سکی ثابت نہ جوش حسن سے اس کی نقاب
چاک چاک ایسا ہوا پردہ کہ چلمن بن گیا(۱۳)

جو مر گیا ترا رُخ پُر نور دیکھ کر
دیکھا تو آنکھ میں اسی مردے کے نور تھا(۱۴)

محبوب کی زلفوں کی مدح کرتے ہوئے داغؔ کہتے ہیں کہ جس دن میرا محبوب ساحل سمندر کے پاس بیٹھا، تو اس دن پانی کے اندر موجود ساری مچھلیاں میرے محبوب کے پاس ایک جگہ اکٹھی ہو گئیں۔ شعر ملاحظہ ہو:

بیٹھے تھے زلفیں چھوڑ کر اک روز وہ بہر شکار
اس دن سے ساری مچھلیاں رہنے لگیں ساحل کے پاس(15)

کلاسیکی اردو شاعری میں محبوب کے حسن و جمال، خدو خال، زلف، لب، گیسو، رخسار، جبیں اور دیگر اعضائے جسمانی پر مختلف شعراء نے اپنے اپنے انداز میں قلم اٹھائی ہے اور محبوب کو زیادہ سے زیادہ بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔ کبھی وہ محبوب کے چہرے کو چاند کی مانند گردانتے رہے اور کبھی محبوب کے لبوں کو گلاب کی پنکھڑی کہتے رہے۔ الغرض کہ کلاسیکی شعراء نے تصور محبوب کے حوالے سے اپنے کلام میں زیادہ سے زیادہ لکھا۔

داغؔ دہلوی چونکہ آخری کلاسیکی شاعر ہیں اور داغؔ کو بھی اپنے محبوب کے اعضائے جسمانی سے بے پناہ اُلفت

ہے۔ جس کا ذکر وہ اپنے کلام میں جگہ جگہ کرتے ہیں۔ داغؔ اپنے مندرجہ بالا اشعار میں محبوب کے چہرے کے حسن، محبوب کی مختلف دلکش اداؤں، غرض کہ اپنے محبوب کے اعضائے جسمانی کو خوب صورت انداز میں بیان کرتے ہیں۔

داغؔ بیان کرتے ہیں کہ جس آئینے پر میرے محبوب کی نظر پڑ جائے تو بعد میں کسی اور خوب رو کی جرأت نہیں کہ وہ اس آئینے کی طرف جھانکے بھی۔

داغؔ دہلوی اپنے محبوب کے گالوں کا تذکرہ بھی بڑے دلکش انداز میں بیان کرتے ہیں کہ اے محبوب آسمان پہ چاند اور سورج ہیں، زمین پہ لالہ و گل ہیں لیکن آپ کے رخساروں کا جواب کہیں بھی نہیں، مطلب کہ نہ آسمان پر اور نہ ہی زمین پر آپ کے رُخساروں کا جواب ہے۔

اس طرح داغؔ اور بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو بل اے محبوب تری زلف گرہ سے باہر ہیں وہ ہی پیچ نہیں میری تقدیر سے باہر۔ محبوب کی مختلف اداؤں کو داغؔ قیامت سے کم نہیں جانتے ہیں۔ مندرجہ بالا اشعار ملاحظ ہوں، جن کا مفہوم پہلے سے اوپر درج کر دیا گیا ہے:

جس آئینہ کو دیکھ لیا قہر سے اس نے
اُس آئینے سے کوئی مقابل نہیں ہوتا[16]

داغؔ کی عاشقانہ غزل سرائی کا ایک ایک لفظ سچا اور واقعیت پر مشتمل ہے۔ داغؔ کی اُردو زبان میں بے ساختگی اور برملا اظہار قابل تعریف ہے۔ داغؔ کے کلام میں تازگی اور شگفتگی بھرپور پائی جاتی ہے۔ داغؔ کے اس انداز کلام سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے لیے زندگانی بہار کی مانند ہے، جہاں کانٹوں کا وجود بھی ہے تو وہ محض اس کے لیے چمن کی رونق بڑھے۔ داغؔ کے ہاں "مضمون آفرینی" کی کمی تھی لیکن اس کی تلافی محاکات کی رنگینی اور شوخی نے پوری کر دی۔ داغؔ کے زاویہ فکر اور محبوب کے متعلق ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی رقم طراز ہیں:

"داغؔ کا زاویہ فکر بھی دوسرے شعراء سے مختلف ہے، کسی واقعہ، خیال یا احساس کو چاہے وہ کتنا ہی پامال اور فرسودہ کیوں نہ ہو وہ اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ اس میں انوکھا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ داغؔ دہلوی کا محبوب گوشت پوست کا ایک معمولی انسان ہے جو ان سے بلند مرتبہ نہیں۔ داغؔ کے محبوب کو بازاری اور ہرجائی کہنے کے بعد ان کی شاعری میں محبت کے بلند مقامات کی جستجو لا حاصل ہے۔ محبوب سے داغؔ کا برتاؤ برابری کا برتاؤ ہے۔ آپس کی نوک جھونک کبھی کبھی تلخی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔"[17]

عاشق کے دل کو محبوب کی نگاہ کی چوٹ ایسی لگی ہے کہ اب اس کے دل کو کہیں بھی قرار نہیں وہ دربدر بھٹک رہا ہے:

نگہ یار نے کی خانہ خرابی ایسی
نہ ٹھکانا ہے جگر کا نہ ٹھکانا ہے دل کا[18]

محبوب سے مخاطب ہو کر داغؔ بیان کرتے ہیں کہ مجھے دیکھ کر آپ اپنی آنکھون کا رخ کہیں اور کیوں پھیر لیتے ہو۔ میری طرف ہی دل کی نگاہ سے دیکھو میں ہی تمہارا عاشق صادق ہوں۔ داغؔ بیان کرتے ہیں کہ میں نرگس کی آنکھ کو بعد میں دیکھ لوں گا پہلے تمہاری چشم کا دیدار تو کر لوں، اشعار ملاحظہ ہوں:

کیوں چراتے ہو دیکھ کر آنکھیں
کر چکیں میرے دل میں گھر آنکھیں
چشم نرگس کو دیکھ لیں پھر ہم
تم دکھا دو جو اک نظر آنکھیں[19]

محبوب کے حسین چہرے کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے محبوب تیرا چہرہ حور جیسا ہے اور نورانی مجسمہ ہے لیکن آپ پھر بھی ہمیں کیوں طعن و طنز کرتے رہتے ہو۔ آپ وفا کے بدلے مجھ سے جفا کرتے ہو۔ ایک دوسرے شعر میں داغؔ بیان کرتے ہیں کہ اے محبوب مجھے تو شوق ہے آپ کو بے پردہ دیکھوں، لیکن اگر آپ کو مجھ سے کوئی شرم ہے تو اپنے چہرے کو چھپا لینا۔ کیوں کہ آپ کے چہرے کی زیارت ہی میرے دل کی تسکین کا باعث ہے:

حُور کی شکل ہو تم نور کے پتلے ہو تم
اور اس پر تمھیں آتا ہے جلانا دل کا[20]

ہمیں تو شوق ہے بے پردہ تم کو دیکھیں
تمہیں ہے شرم تو آنکھوں پہ ہاتھ دھر لینا[21]

کلاسیکی غزل گو شعراء نے اپنے محبوب کے اعضائے جسمانی کی تعریف اپنے اپنے انداز میں کی۔ محبوب کی زلف، رخسار، لب، قد، جبیں جیسے اعضا پر بے شمار کلاسیکی شعراء نے لکھا۔ اس طرح داغؔ دہلوی کو بھی اپنے محبوب کی زلفیں بڑی دلکش لگتی ہیں اور زلفِ یار کی تعریف بھی وہ احسن طریقے سے کرتے ہیں۔ داغؔ زلفِ یار کی مدح میں بیان کرتے ہیں کہ اے محبوب اپنی زلفوں کا سایہ مجھ پر ڈالو تا کہ میری اداسی دُور ہو جائے اور مجھے راحت میسر آ جائے:

ذرا ڈال دو اپنی زلفوں کا سایہ
مقدر بہت نارسا ہے کسی کا[22]

لبِ یار کی تعریف تقریباً کلاسیکی غزل کا معتبر موضوع رہا ہے۔ ہر کلاسیکی غزل گو شاعر نے اپنے اپنے محبوب کے لبوں کو مختلف اور منفرد طریقوں سے پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ ولی دکنی جسے اردو غزل کا باوا آدم کہتے ہیں۔ انہوں نے

اپنے محبوب کے لب کو بدخشاں کے لعل سے تشبیہ دی ہے۔ میر تقی میر اپنے محبوب کے لب کو گلاب کی پنکھڑی قرار دیتے ہیں۔ اس طرح کلاسیکی غزل کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے، داغؔ نے بھی اپنے محبوب کے لبوں کو دلکش انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

داغؔ لبِ یار کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ تیرے لبوں کا رنگ اتنا خوبصورت اور دلکش ہے کہ گویا ایسے معلوم ہوتا ہے، جیسے ننھی ننھی کلیوں کا رنگ آپ نے چوس لیا ہو:

گلشن میں ترے لبوں نے گویا
رس چوس لیا کلی کلی کا[23]

معشوق کی رفتار کو قیامت سے تشبیہ دی جاتی رہی ہے، کلاسیکی غزل میں یہ بڑا پرانا اور گھِسا گھُسایا مضمون ہے۔ مشکل ہی سے کوئی ایسا شاعر ہوگا جو اس قیامت سے دوچار نہ ہوا ہو۔ لیکن داغؔ جب اس مضمون کی طرف توجہ کرتا ہے تو کچھ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ داغؔ قیامت سے نہیں، قیامت داغؔ سے دوچار ہوگئی ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

تمہاری چال کی ہم مٹنے والے داد کیا دیں گے
قیامت سے ذرا پوچھو مری رفتار کیسی ہے[24]

شاہد ملی داغؔ دہلوی کی غزل گوئی کے متعلق رقم طراز ہیں:

"داغؔ نے اپنی غزلوں میں جو دنیا آباد کی ہے۔ اس میں دل و جاں کی تسکین کے ہزاروں سامان ہیں۔ اس شہر ہوس کے کردار، ان کی گفتگو میں زندگی کی حرارت اور موانست کی گرمی، ہوس سے لے کر صوفیانہ تجربے تک، عشق کے صد ہا رنگ، قلعہ معلّی کے محاورے، شوخی، حاضر جوابی اور ناصح و محبوب سے چھیڑ چھاڑ وغیرہ آپ کے کلام کی خوبیاں ہیں۔"[25]

دوسرے کلاسیکی غزل گو شعراء کی طرح داغؔ دہلوی نے بھی اپنے محبوب کی اعضائے جسمانی کے ساتھ ساتھ اپنے محبوب کی عادات و خصائل جیسا کہ ناز، غرور، چال، گُفتار، ظلم و ستم، بے اعتنائی وغیرہ کو بھی بڑے دلکش اور ستمانہ و دردمندانہ لہجے میں بیان کیا ہے۔ محبوب کے روٹھ جانے کی ادا عاشق صادق کے دل پر بڑی ناگہاں گزرتی ہے:

لے چلا جان مری، رُوٹھ کے جانا تیرا
ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آنا تیرا[26]

عاشق صادق کو اپنے محبوب کے حُسن کے علاوہ اور کہیں حُسن نظر نہیں آتا۔ اور محبوب کے حُسن کے سامنے

چاند بھی بے نور دکھائی دیتا ہے۔ ایسی ہی طرز میں داغؔ دہلوی کو بھی اپنا محبوب بہت پسند ہے اور وہ محبوب کے حسن کے سامنے خلد کی حوروں کو بھی بے معنی سمجھتا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:

بہت جلائے گا حوروں کو داغؔ جنت میں
بغل میں اس کی وہاں ہند کی پری ہو گی (27)

محبوب کی اداؤں کا ذکر کرتے ہوئے داغؔ بیان کرتے ہیں کہ میرے محبوب کی ادائیں ظالمانہ ہیں، اگر ان کی شوخی سے دامن بچ جائے تو پھر ان کے حیا کے شکنجے میں پھنس جاتے ہیں:

شوخی سے بچا دل تو پھنسا دام حیا میں
سو طرح کے انداز ہیں ظالم کی ادا میں (28)

ہجر کی کیفیت کو کلاسیکی غزل گو شعراء نے اپنے اپنے مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ چونکہ محبوب کے ہجر میں عاشق صادق کو تنہا دن اور رات کاٹنی ہوتی ہے اور یہ صدمہ عاشق صادق پر بڑا ناگہاں گزرتا ہے۔ اس کیفیت کو داغؔ دہلوی نے بھی بڑی درد مندی کے ساتھ بیان کیا ہے:

ہجر میں زہر کھا کے مر جاؤں
موت کا انتظار کون کرے (29)

مکالماتی انداز کا بیان داغؔ کے ہاں خوب ملتا ہے۔ داغؔ اپنے محبوب سے یوں مکالمہ کرتے ہیں جیسے محبوب ان کے روبرو بیٹھا ہو۔ محبوب کے ساتھ گفتگو بھی بے توجہی کے انداز میں کرتے ہیں:

کیا کہا، پھر کہو ہم نہیں سنتے تیری
نہیں سنتے تو ہم ایسوں کو سناتے بھی نہیں (30)

اُردو شاعری کی تاریخ میں داغؔ دہلوی اُردو کلاسیکی دور کے نمایاں شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ داغؔ دہلوی سے پہلے کلاسیکی غزل میں بھی تصورِ محبوب کی مضبوط روایت نظر آتی ہے۔ داغؔ تک آتے آتے شعرا نے محبوب کو نازک اندام روپ میں پیش کیا۔ یہاں تک کہ حالی نے مقدمہ شعر و شاعری میں اس تصور پر کڑی تنقید کی ہے۔ داغؔ دہلوی نے اپنی شاعری میں محبوب کا جداگانہ تصور پیش کیا جس میں کلاسیکی شعرا سے مماثلت بھی نظر آتی ہے اور ایک واضح فرق بھی دکھائی دیتا ہے۔ داغؔ نے اُردو غزل کو ایک شگفتہ اور رجائی لہجہ دیا۔ داغؔ دہلوی سے پہلے غزل ہجر کی تڑپ سے یا پھر تخیل کی بے لگام اُڑانوں سے عبارت تھی۔ داغؔ کی شاعری ایک ہی محور پر گھومتی ہے اور وہ ہے عشق۔ عشقیہ جذبات داغؔ کی شاعری میں دوڑتے نظر آتے ہیں۔ داغؔ دہلوی کی شاعری وصل کی شاعری ہے۔ داغؔ خوب صورت چہروں کے دلدادہ تھے۔ ان کی زندگی میں محبوب کے بچھڑنے کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ وہ جلد ہی دوسری محبت تلاش کر لیتے ہیں۔

داغؔ دہلوی کی غزل میں محبوب کے لیے مذکر کا صیغہ استعمال ہوا ہے لیکن اس میں اُبھرنے والا پیکر نسائیت سے

بھرپور ہے۔ کلاسیکی عہد کی غزل میں تصورِ محبوب کی مضبوط روایت نظر آتی ہے۔

داغؔ کے ہاں شعری وضع داری خود اُن کی خاندانی صفات کے سبب ہو سکتی ہے، ورنہ وہ جس عورت کا سراپا کھینچتے ہیں۔ کوئی عزت مآب مخلوق نہیں لگتی۔ اس لیے اُس کا احترام ضروری نہیں سمجھتے۔ ان کے جذبۂ عشق میں احساسات و خیالات کا ترفع نہیں ہے۔ محبت کے سنجیدہ اظہار میں بذلہ سنجی اور چھیڑ چھاڑ دکھائی دیتی ہے۔ اسی وجہ سے داغؔ کی سراپا نگاری میں حُسن و جمال کے وہ رومانی زاویے مفقود ہیں جو میر، درد، آتش اور غالب کے ہاں نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ کامل قریشی، داغؔ دہلوی حیات اور کارنامے، دہلی: اُردو اکادمی پبلشرز، ۲۰۰۳ء، ص:۲۵
2۔ ایضاً، ص:۲۵
3۔ کامل قریشی، ڈاکٹر، اردو غزل، لاہور: پروگریسو بکس پبلشرز، 1989ء، ص:50
4۔ نارنگ، گوپی چند، ڈاکٹر، اُردو غزل اور ہندوستانی ذہن و تہذیب، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو، 1985ء، ص:34
5۔ داغؔ، میرزا خاں، دہلوی، گلزار داغؔ، لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، 1958ء، ص:49
6۔ ایضاً، ص:43
7۔ داغؔ، میرزا خاں، دہلوی، گلزار داغؔ، ص:48
8۔ ایضاً، ص:62
9۔ ایضاً، ص:63
10۔ ایضاً، ص:93
11۔ ایضاً، ص:95
12۔ ایضاً، ص:100
13۔ ایضاً، ص:106
14۔ ایضاً، ص:108
15۔ ایضاً، ص:168
16۔ داغؔ، مرزا خاں، دہلوی، آفتاب داغؔ، لکھنؤ: در مطبع قاسمی، 1906ء، ص:467
17۔ آفتاب احمد صدیقی، ڈاکٹر، گلہائے داغؔ، ڈھاکہ: مکتبہ عارفین، 1956ء، ص:93
18۔ داغؔ، مرزا خاں، دہلوی، مہتاب داغؔ، مرتبہ، تمکین کاظمی، لاہور: نیا ادارہ پبلشرز، 1961ء، ص:584
19۔ ایضاً، ص:732
20۔ ایضاً، ص:885
21۔ ایضاً، ص:619
22۔ داغؔ، مرزا خاں، دہلوی، یادگار داغؔ، مرتبہ، تمکین کاظمی، لاہور: نیا ادارہ پبلشرز، 1960ء، ص:598

23۔ ایضاً، ص:605

24۔ داغؔ، مرزا خاں، دہلوی، یادگار داغؔ، مرتبہ: تمکین کاظمی، ص:390

25۔ شاہد ماہلی، داغؔ دہلوی، نئی دہلی: عزیز پرنٹنگ پریس، 2001ء، ص:171

26۔ داغؔ، مرزا خاں، دہلوی، مہتاب داغؔ، مرتبہ: تمکین کاظمی، ص:120

27۔ داغؔ، مرزا خاں، دہلوی، یادگار داغؔ، مرتبہ: تمکین کاظمی، ص:172

28۔ ایضاً، ص:195

29۔ ایضاً، ص:210

30۔ ایضاً، ص:280

References:

1. Kamil Qureshi, Daagh Dehlvi: Hayat aur Karnamay, Delhi: Urdu Academy Publishers, 2003, p. 25.
2. Ibid, p. 25.
3. Kamil Qureshi, Dr., Urdu Ghazal, Lahore: Progressive Books Publishers, 1989, p. 50.
4. Narang, Gopi Chand, Dr., Urdu Ghazal aur Hindustani Zehn o Tehzeeb, New Delhi: National Council for Promotion of Urdu, 1985, p. 34.
5. Daagh, Mirza Khan, Dehlvi, Gulzar-e-Daagh, Lucknow: Naseem Book Depot, 1958, p. 49.
6. Ibid., p. 43.
7. Daagh, Mirza Khan, Dehlvi, Gulzar-e-Daagh, p. 48.
8. Ibid., p. 62.
9. Ibid., p. 63.
10. Ibid., p. 93.
11. Ibid., p. 95.
12. Ibid., p. 100.
13. Ibid., p. 106.
14. Ibid., p. 108.
15. Ibid., p. 168.
16. Daagh, Mirza Khan, Dehlvi, Aftab-e-Daagh, Lucknow: Dar Matba‘ Qasmi, 1906, p. 467.
17. Aftab Ahmad Siddiqi, Dr., Gulha-e-Daagh, Dhaka: Maktaba Arifeen, 1956, p. 93.
18. Daagh, Mirza Khan, Dehlvi, Mehtab-e-Daagh, Ed. Tamkeen Kazmi, Lahore: Naya Idara Publishers, 1961, p. 584.
19. Ibid., p. 732.
20. Ibid., p. 885.
21. Ibid., p. 619.

22. Daagh, Mirza Khan, Dehlvi, Yadgar-e-Daagh, Ed. Tamkeen Kazmi, Lahore: Naya Idara Publishers, 1960, p. 598.
23. Ibid., p. 605.
24. Daagh, Mirza Khan, Dehlvi, Yadgar-e-Daagh, Ed. Tamkeen Kazmi, p. 390.
25. Shahid Mahli, Daagh Dehlvi, New Delhi: Aziz Printing Press, 2001, p. 171.
26. Daagh, Mirza Khan, Dehlvi, Mehtab-e-Daagh, Ed. Tamkeen Kazmi, p. 120.
27. Daagh, Mirza Khan, Dehlvi, Yadgar-e-Daagh, Ed. Tamkeen Kazmi, p. 172.
28. Ibid., p. 195.
29. Ibid., p. 210.
30. Ibid., p. 280.